# خودنوشت اور اصلاحِ حضرت جاویدؔ مرحوم

مولانا سید مجاور حسین تمنّا اجتہادی

میں نے سب سے پہلے ۱۳۱۰ھ میں (جب کہ میرا سن پورے آٹھ سال کا بھی نہ تھا) ایک نوحہ کہا تھا جو اس بیاض (جوش ماتم) کے حصہ اول میں درج ہے۔ اس کے بعد چھ سال تک کوئی شعر نہیں کہا۔ جب ۱۳۱۶ھ کا محرم شروع ہوا تو دوبارہ پھر شوق پیدا ہوا اور وہی میری شاعری کا گویا ابتدائی سال تھا۔ پہلے سال فقط نوحے اور سلام کہے جس میں کے تین صرف اس بیاض میں ہیں باقی ضائع ہو گئے اور دوسرے سال یعنی ۱۳۱۷ھ میں مثنوی ''مذاق عاشق'' معروف بہ ''انجام عشق'' نظم کی جو پہلی مرتبہ ۱۳۲۱ھ میں اور دوسری مرتبہ ۱۳۲۴ھ میں شائع ہو چکی ہے اور اسی ۱۳۱۷ھ سے برادر معظم تاج الشعراء جناب مولوی سید محمد کاظم صاحب جاویدؔ مرحوم سے اصلاح لینا بھی شروع کی۔ غرض ۱۳۱۶ھ سے مجھ کو مستقل شوق شروع ہوا۔ اور ۱۳۱۷ھ سے مختلف اصناف شاعری میں طبع آزمائی کرنے لگا۔ پھر ۱۳۱۹ھ میں ایک ڈراما مکمل اور دو مثنویاں غیر مکمل اور کہیں، جن میں تخمیناً ایک ایک ہزار شعر ہو چکے تھے مگر ان پر جناب مرحوم کی اصلاح نہیں ہے اس کے بعد ۱۳۲۲ھ میں مناجات طاعون معروف بہ ''مقبول جہاں'' کہہ کر چھپوائی جو اس بیاض کے حصہ دوم میں بھی درج ہے غرض اسی زمانے سے میری مختلف عنوان کی نظمیں اور نثر کے مضامین اخبارات اور رسالہ جات میں بھی شائع ہونے لگے اور مشاعروں میں بھی شرکت کرنے لگا اور اکثر وقتی مشاعروں میں بھی شریک ہونے کا اتفاق ہوا، جس میں خصوصیت کے ساتھ اہل محفل نے مجھ کو داد عنایت کی پھر ایک ناول لکھا اور وہ بھی آٹھ جز تک پہنچ کر غیر مکمل رہ گیا اور اس کے بعد ۱۳۲۳ھ میں ایک عاشقانہ مثنوی اور کہی جس کا نام ''گلشن تمنا'' ہے اور یہ مثنوی کامل ہے اور اس میں تخمیناً تین ہزار شعر ہیں مگر مرحوم کی اصلاح اس پر بھی نہیں ہے کیونکہ جب تک میں کوئی نظم اپنی کسی محفل میں پڑھنے یا پڑھوانے پر آمادہ نہ ہوتا تھا یا اس کے چھپوانے کا قصد نہ کرتا تھا بلا ضرورت مرحوم کو اصلاح کی زحمت نہ دیتا تھا اور ایک اصول یہ بھی ابتدا سے رکھا تھا کہ جس شے پر اصلاح لیتا تھا اس کا مسودہ ضرور اپنے پاس رکھتا تھا اور بطور یادداشت اس پر تاریخ وسالِ تصنیف بھی لکھ دیتا تھا اور جس شخص یا جس انجمن کی فرمایش سے وہ اشعار کہتا تھا اس کا نام بھی درج کر لیتا تھا چنانچہ اسی عمل کی وجہ سے جوش ماتم کے ہر نوحہ وسلام پر تاریخ وسال تصنیف اور جس شخص یا جس انجمن کے لئے وہ کہا ہے یا جس کو پڑھنے کو دیا ہے اس کا نام با آسانی لکھ سکا الحاصل جب میں ہر صنف نظم پر قادر ہو گیا اور زود گوئی کی بھی قوت اس حد تک پہنچی کہ مشکل سے مشکل طرح میں فی البدیہ معقول تعداد میں شعر کہنے لگا تو ماتموں اور غزلوں کے شوقین یا قطعات تاریخ کے خواہشمند اکثر میرے پاس آنے لگے اور خود حضرت جاویدؔ مرحوم بھی میرے متعلق اپنے دوستوں اور شاگردوں کے سامنے وہ الفاظ استعمال کرنے لگے جس کے سننے والے ابھی تک موجود ہیں اور جن کا اظہار میں اپنی زبان یا قلم سے مناسب نہیں سمجھتا۔ اس کے بعد ۱۳۲۵ھ میں (وہ ماتم کہ جو جوش ماتم میں شامل ہیں اور جن کو مختلف انجمنیں ایک عرصہ تک پڑھ چکی ہیں اور وہ زبان زد بھی ہو چکے ہیں) دو دو چار چار مختلف بیاضوں میں چھپنے لگے اور ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں ان ماتموں کا ایک کثیر حصہ (کہ جو سال مذکورہ سے قبل تصنیف ہو چکے تھے) ایک بیاض میں چھپ گیا۔

اس کے بعد نئے ماتم پھر پانچ سال تک جمع ہوتے رہے اور بعد مدت مذکور کے ۱۹۱۳ء میں جوش ماتم کے نام سے پہلی مرتبہ جناب مولوی میر سجاد علی صاحب نے اور دوسری مرتبہ ۱۳۴۰ھ میں جناب

مولوی میر ریاض الحسن صاحب نے چھپوائے اور اب تیسری مرتبہ ۱۳۴۳ھ میں جناب مولوی میر بنیاد علی صاحب نے طبع کئے ہیں مگر اس میں وہی سب نوحے اور سلام وغیرہ ہیں کہ جو ۱۳۱۶ھ سے ۱۳۳۱ھ تک کے تصنیف ہیں اور جن پر جناب جاویدؔ مرحوم کی اصلاحیں ہیں۔ اب ۱۳۳۲ھ سے آج تک جو نوحے اور سلام وغیرہ میں نے کہے ہیں اور وہ اس وقت تک چھپے نہیں ہیں ان کو انشاء اللہ میں خود اس بیاض کے تیسرے حصے میں چھپواؤں گا۔ دیگر میں اپنے وہ قصائد جو ائمہ ہدیٰ کی شان میں ہیں اور ان میں کے بعض اخبار اثنا عشری دہلی میں چھپ چکے ہیں اور عاشقانہ کلام یعنی دیوان یا کلیات بھی خود ہی چھپوانا چاہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ شائقین میری مذکورہ ناچیز تصانیف کی بھی ویسی ہی قدر کریں گے جیسے نوحوں کی کی ہے۔ الغرض یہاں پر میں اپنے مقصد سے تھوڑا سا علیحدہ ہو گیا ہوں جس کی معافی کا ناظرین سے خواستگار ہو کر پھر اپنے اصلی موضوع پر آتا ہوں۔

۱۳۲۹ھ میں جناب برادر معظم حضرت جاویدؔ مرحوم نے مجھ کو بغیر اصلاح پڑھنے کا ایک اجازہ لکھا اور شاگرد کرنے کی بھی اجازت دی چنانچہ میں نے ان کے آخر الذکر حکم کی تو پوری تعمیل کی یعنی جو لوگ میرے شاگرد ہوئے ان کو اصلاح دینے لگا اور بعد اپنی اصلاح کے مرحوم کو بھی احتیاطاً سنا دیتا تھا مگر اول الذکر حکم کی تعمیل کرنا پورے طور سے مناسب نہ سمجھا بلکہ جب کوئی نظم کہتا تھا تو سنا ضرور لیتا تھا اور جب سناتا تھا تو کوئی نہ کوئی لفظ یا مصرع مرحوم بدل بھی ضرور دیا کرتے تھے خواہ وہ کسی معمولی عیب، حشو یا تعقید وغیرہ کی وجہ سے ہو یا محض ترقی کے لحاظ سے اور بعض موقعوں پر ایسا بھی ہوتا تھا کہ میں ان کو بغیر سنائے ہوئے بھی پڑھ دیتا تھا الحاصل چھ سال تک مذکورہ صورت ہی قائم رہی اس کے بعد ۱۳۳۴ھ میں میرا جانا اپنے ایک معزز دوست جناب مولوی سید محمد ہادی صاحب تہذیبؔ وکیل رائچور کے ساتھ حیدرآباد دکن جالنہ، اورنگ آباد، گلبرگہ، پونہ، بیجاپور، بمبئی وغیرہ وغیرہ مقامات پر ہوا اور وہاں جا کر روزانہ مشاعروں کی شرکت سے سلسلۂ اصلاح بالکل منقطع ہو گیا اور اسی زمانے میں برادر مرحوم حضرت جاویدؔ نے دوسری مرتبہ باقاعدہ اجازہ لکھ کر مجھ کو حیدرآباد میں بذریعہ ڈاک روانہ کیا جو میرے پاس موجود ہے۔ اور وہ غزلیں یا نظمیں کہ جو مذکورہ ایام سفر میں میں نے کہیں تھیں بمبئی کے ایک عنایت فرماں نے (جو کہ رسالہ "تصویر یار" کے اڈیٹر تھے اور صابر تخلص تھا) "نمونہ سخن" معروف بہ "مختصر کلام تمناؔ" کے نام سے بغیر حضرت جاویدؔ مرحوم کی اصلاح کے ایک رسالہ کی صورت میں شائع بھی کر دیں جس کو اہل بمبئی نے نہایت قدر سے خریدا المختصر ۱۳۳۵ھ میں پھر میں لکھنؤ واپس آیا اور یہاں آ کے بھی پھر کوئی اصلاح میں نے جناب استاد مرحوم سے نہیں لی بلکہ ان کے حکم سے خود ان کے بعض شاگرد اور نیز اپنے شاگردوں کے کلام پر اصلاحیں دینے لگا جن کی غزلیں رسالہ "آئینہ" میں (جو ماہوار رسالہ میری اڈیٹری میں جناب مولوی سید سجاد علی صاحب نکالتے تھے) چھپا کرتی تھیں اور خود حضرت جاویدؔ کی غزل سے بھی وہ رسالہ مزین ہوتا تھا مگر اس کو بھی زیادہ عرصہ نہ گذرنے پایا تھا کہ ۱۳۳۹ھ میں مجھ کو ٹھاکر شیوناتھ سنگھ صاحب نے بہ صیغۂ ملازمت "اخبار خادم" کی اڈیٹری کے لئے نجیب آباد ضلع بجنور سے طلب کیا اور وہاں جا کر تین ماہ تک اخبار نکالنے کے بعد ایسا بیمار ہوا کہ رخصت لے کر پھر لکھنؤ واپس آنا پڑا اور یہاں آ کر بھی چار ماہ تک صاحب فراش رہا جس کی وجہ سے رسالہ آئینہ اور اخبار خادم دونوں بند ہو گئے اور جب مجھ کو صحت کامل حاصل ہوئی تو ۱۴؍ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ کو تاج الشعراء برادر معظم حضرت جاویدؔ خلد آشیاں کا انتقال ہو گیا اور ان کا پورا سرمایہ حیات یعنی کُل مراثی اور دیوان غزلیات وغیرہ ہم مستحقین کی غلط فہمی سے ہمارے قبضہ سے نکل گئے اور ان کے چھپنے کی بھی امید منقطع ہو گئی تو مجھ کو از حد ملال ہوا اور اسی دن سے اس بات کی فکر پیدا ہوئی کہ کوئی تدبیر ایسی کرنا چاہئے جس سے جناب مرحوم کا کمال اور نام باقی رہے چنانچہ تین سال تک اس خیال نے دماغ میں گردش کرنے کے بعد یہ صورت ذہن نشین کرائی کہ تمہارا ابتدائے شوق سے لے کے ۱۳۳۴ھ تک کا کلام (جب کہ جناب مرحوم نے مجھ کو دوسرا اجازہ دیا تھا اور سلسلۂ اصلاح ترک ہوا تھا) جس قدر بھی موجود ہے اور جن جن مسودوں پر خود جناب مرحوم کے قلم کی لکھی ہوئی اصلاحیں ہیں اب جب کبھی بھی کتاب کی صورت میں ان کے چھپنے کی نوبت آئے

تو ان کے ساتھ ہی ساتھ خاص خاص اصلاحیں بھی ضرور چھپوا دیا کروں تا کہ اہل شوق ان کو دیکھ کر فائدہ اٹھائیں اور مرحوم کا کمال اور نام زندہ رہے الغرض اس مقصد کو پورا کرنے کا سب سے پہلا موقع جو میرے ہاتھ آیا وہ یہی ہے کہ میرے نوحے چوتھی مرتبہ اور بہ لحاظ نام بیاض تیسری مرتبہ چھپ کر شائع ہوئے لہٰذا اس کتاب کے آخری صفحوں میں جناب مرحوم کی دی ہوئی خاص خاص اصلاحیں بھی درج کردی ہیں اور وہ ماتم یا سلام کہ جن پر مرحوم نے دو دو یا تین تین صاد بنائے تھے اس بیاض کے جس صفحہ میں بھی درج ہیں ان اشعار پر اتنے ہی نقطے دے دیئے ہیں اور وہ خمسے یا قطعات یا سلام وغیرہ کہ جن کے شعروں پر مرحوم نے خواہ دو صاد بنائے ہوں یا ایک ہی ایک ہو مگر ان کا ربط یا سلسلہ یا بندش کا عنوان مجموعی حیثیت سے ان کو زیادہ پسند تھا اور اکثر وہ ان کی تعریف فرماتے تھے۔ ایسے کل ماتموں کے سرِ مطلع اس قسم کے نشان بنادیئے ہیں = اور جن کثیر التعداد شعروں پر مرحوم نے صرف ایک ایک صاد بنایا ہے یا ان میں سے بعض میں کوئی معمولی لفظ بدلا ہے ایسے کل اشعار پر بیاض ہذا میں بخیال طوالت کوئی نشان نہیں دیا ہے۔ دیگر یہ کہ زمانۂ حال کے واقعات سے متاثر ہو کے تھوڑے عرصہ سے میرے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ وہ نظمیں جو عام گذرگاہوں میں پڑھی جاتی ہیں اور غیر مسلمین کے بھی کانوں تک پہنچتی ہیں ان میں کوئی لفظ ایسا نہ ہونا چاہئے کہ جس سے یہ ثابت ہو کہ مسلمانوں میں گروہ بندی یا ان کے عقائد میں اختلاف ہے چنانچہ چند مصرعے جوش ماتم میں بھی ایسے تھے کہ وہ کسی کے خلاف تو ہرگز نہ تھے مگر ایک گروہ کا مخصوص نام ضرور تھا (یعنی علاوہ اہل اسلام یا لفظ مسلمین و مومنین کے کسی فرقے کا الگ کر کے نام لینا بھی میرے نزدیک موجودہ حالت پر نظر کرتے ہوئے خلاف مصلحت ہے) لہٰذا ایسے ہی مصرع کہ جن سے صرف دوئی پائی جاتی تھی اب کی اشاعت میں میں نے محض اپنی رائے اور اپنی خوشی سے تبدیل کر دیئے ہیں یعنی چھ مصرعے ایک ماتم میں اور ایک ایک مصرع اور چند لفظیں سات ماتموں میں جملہ بیاض بھر میں تیرہ مصرعے اور چند لفظیں بدل دی ہیں اور امید کرتا ہوں کہ جملہ اہل اسلام میرے اس خیال کو نہایت اچھی نظر سے دیکھیں گے اور آئندہ وہ خود بھی اپنی تصنیف و تالیف میں اس بات کا لحاظ رکھیں گے کہ جن الفاظ سے رمق گروہ بندی یا دوئی پائی جاتی ہو نہ لکھیں گے المختصر اب میں اپنی اس طویل اور بے ربط تحریر کو تمام کر کے حضرت جاویدؔ مرحوم کی وہ اصلاحیں تحریر کرتا ہوں کہ جن کے مسودے میرے پاس موجود ہیں اور امید کرتا ہوں کہ ناظرین ان کو غایر نظر سے دیکھ کر فائدہ اور دلچسپی حاصل کریں گے اور مرحوم کی روح کو سورۂ فاتحہ سے اور نیز مجھ کو دعائے خیر سے یاد کریں گے۔ پہلی اصلاح ملاحظہ ہو۔

مصنف

ہوش آتا نہیں اب آٹھ پہر عابد کو
ضعف میں اُٹھ کے اگر چار قدم جاتے ہیں

اصلاح

ہوش آتا نہیں آٹھ آٹھ پہر عابد کو
ضعف میں اٹھ کے اگر چار قدم جاتے ہیں

نحیف کے مصرعۂ اولیٰ میں لفظ اب حشو تھا جو اصلاح سے نکل گیا اور آٹھ آٹھ پہر کی تکرار سے اک خاص حسن پیدا ہو گیا، یہ سلام جوش ماتم کے صفحہ ۳ میں درج ہے اور ۱۳۱۶ھ کی تصنیف ہے۔

مصنف

مئے حبِ علیؑ جن کے دلوں میں جوش زن ہوگی
وہ جنت میں بھی جائیں گے تو بادہ خوار بن بن کر

اصلاح

مئے حبِ علی جن کے دلوں میں جوش زن ہوگی
وہ کوثر پر بھی جائیں گے تو بادہ خوار بن بن کر

مصرعۂ دوم میں ''مئے حب علیؑ'' کی رعایت سے بجائے ''جنت میں'' کے ''کوثر پر'' بنادیا جس سے شعر کو ترقی ہوگئی یہ سلام بیاض ہذا کے صفحہ ۳۸ میں درج ہے اور بمقام پنڈراول ۱۳۲۸ھ میں کہا تھا۔ (ماخوذ از جوش ماتم حصہ دوم، ص ۱۶۷ تا ۱۷۴)

**نمونۂ کلام**

جب کیا زخمی گلے کو حُرملہ کے تیر نے
شاہؑ کو گھبرا کے دیکھا اصغرؑ بے شیر نے
بیڑیوں نے جب دبائیں تپ میں دونوں پنڈلیاں
بند کیں زنداں میں آنکھیں عابدؑ دلگیر نے
سر جھکا کر سید سجادؑ بھی رونے لگے
پاؤں پر گر کر نہ جانے کیا کہا زنجیر نے
موت! آخر آئی اکبرؑ کو یہ ہچکی موت کی
یا کہ حرکت کی رسولؐ اللہ کی تصویر نے
عابدؑ بیمار سنبھلے گرتے گرتے لاکھ بار
کروٹیں لیں اس طرح کچھ پاؤں کی زنجیر نے
صابر ایسا تھا نہ پانی کا کیا کچھ بھی سوال
بے زباں بچہ کو دی اپنی زباں جب تیر نے
پھر نہ ٹھہرا یوں ہوا اپنے ہدف بننے کا خوف
حلق اصغرؑ کے جو کانٹے بڑھ کے ناپے تیر نے
شاہؑ کے ہاتھوں پہ لیں اصغرؑ نے اتنی کروٹیں
چھوٹ کر بدلے کماں سے جتنے پہلو تیر نے
حرملہ سے توڑ کا اُس کے بھلا کیا پوچھنا
دل زمانہ بھر کے زخمی کردیئے جس تیر نے
اے تمنّا یوں نہ ہو برباد دشمن بھی کوئی
جس طرح مجھ کو مٹایا ہے مری تقدیر نے

✿✿✿

**بقیہ۔۔۔۔۔حسینیت اور بین الاقوامی مفاد**

جیے اسی کے لئے اور مرے اسی کے لئے — حسینؑ نام ہے اللہ کی محبت کا!
وہ شانِ مرگ کہ دشمن بھی شرمسار ہوئے — حسینؑ نام ہے دشمن پہ بھی حکومت کا
وہ قلت رفقا اور وہ عزم کے تیور — حسینؑ نام ہے ردِ غرور کثرت کا
یزید مٹ گیا ذلت کی زندگی کی طرح — حسینؑ نام ہے نقش دوام عزت کا

امام حسینؑ کی ساری زندگی دنیا کے لئے معجزہ بنی ہوئی ہے، سرمایۂ حریت بنی ہوئی ہے۔ چودہ سو سال سے کوئی لمحہ ایسا نہ گذرا جس میں دماغوں نے حسینؑ پر غور نہ کیا ہو، خطیبوں نے مجمعوں کو مخاطب کیا، شاعر نے، فلسفی نے، حکیم نے، ادیب نے، مصلح نے سب نے امام کی زندگی کو پرکھا اور اس سے اپنی زندگی کے دشوار مواقع پر مدد لی، انسانی ترقیوں کے مختلف دور میں مثالیں سامنے آتی رہیں لیکن کامل ترین مثال حسینؑ کے واقعۂ شہادت سے ملتی ہے۔ آپ کی شہادت کے کل تفصیلات اور مقتل کے کل جزئیات کی ایک روح ہے اور اس کو مختصر لفظوں میں بتایا جاسکتا ہے اور وہ یہ کہ تمام انسانوں کے ساتھ محبت و عشق کیا جائے اور سب کا احترام کیا جائے، اور سب کے ساتھ ہمدردی و مہربانی سے پیش آیا جائے۔ یہ خلاصہ صرف آپ کے واقعۂ شہادت کا نہیں ہے بلکہ آپ کے اسلاف و اخلاف سب کا یہی جوہر ہے، واقعۂ شہادت اس جوہر حیات کو نمایاں کر کے پیش کرتا ہے۔ ضرورت ہے کہ امامؑ کی زندگی کا دوبارہ مطالعہ کیا جائے، اچھے رسائل اور عمدہ نظموں کی ضرورت ہے۔ فلسفۂ شہادت پر حکیمانہ بیانات کی ضرورت ہے کہ دنیا اپنے مصلح کو زیادہ سے زیادہ پہچانے، وہ انسانیت جس کو نسلی تعصب، فرقہ وارانہ عداوت اور لسانی اختلافات اور سیاسی اغراض نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ ایک حسینؑ کی ذات ایسی ہے کہ ان کی زندگی کے اذکار اور ان کے تعلیمات سے اس پارہ پارہ انسانیت کے جسم میں رفو کر کے اسے دوبارہ اس کا حسن و جمال عطا کیا جاسکتا ہے، اور معزز انسانیت کو کمال وشرف کے اس مقام پر بٹھایا جاسکتا ہے جس جگہ کے لئے اس کے مصور، اس کے صانع نے اسے تخلیق کیا۔

زندہ باد اتحادِ انسانی

زندہ باد حسینیت

زندہ باد شرفِ بنی آدم

(اشاعت اول: امامیہ مشن لکھنؤ محرم الحرام)